سانحات و وفیات

(ادارہ)

پچھلے شمارے کی اشاعت کے بعد سب سے بڑا سانحہ اس ملک میں علامہ احسان الٰہی ظہیر اور ان کے ہم سفروں کا وہ شدید ابتلا ہے جس میں علامہ صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی کے علاوہ ۸ شہدا کے جنازے بیک وقت پڑھے گئے۔ بعد میں ایک اور صاحب شہید ہو گئے اور زخمی تو بہت زیادہ تھے۔ مقام گفتگو اور دلیل کا تھا اور دشمنانِ دین و وطن نے بارود اور آگ کا ماتمی کھیل رچایا۔ ایمان کا توڑ سپر پاورز کے پاس بھی بارود کے سوا کچھ نہیں، مگر نخلِ ایمان پھر نخلِ ایمان ہے —

"برق گرتی ہے تو کچھ اور ہرا ہوتا ہے۔"

ایک بات ہم وضاحت سے کہہ دینا چاہتے ہیں کہ علمائے دین میں سے کسی کو ہم سے کچھ بھی اختلاف ہو اور خواہ ہمارے لیے سخت ترین نقطۂ نظر اور تلخ ترین اندازِ بیان رکھتا ہو، ہم ان کے احترام کو معاشرے میں قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اور ان کو اگر اختلافات یا انتقام یا تخریب کے تحت کوئی نشانہ بنائے تو ہم ایسی حرکت کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ طاغوتی طاقتیں اسلامی قوتوں کو برباد کر کے جبراً ہم کو لادینیت میں جکڑ دینا چاہتی ہیں۔ مگر ایسا کبھی نہ ہو گا، فتنہ گر اور سازشی اور قاتل اور تشدد کیش قوتیں خائب و خاسر ہوں گی۔

زندہ جمہوری حکومتیں اپنی تیز بین نگاہوں سے ایسے کرب انگیز جرائم کے مجرموں کو سات براعظموں کے آخری سروں تک دیکھ لیتی ہیں۔ اور اپنے لمبے بازوؤں سے وہ انہیں مشرقین و مغربین سے کھینچ بلاتی ہیں۔ مگر یہاں کی اعجوبگیوں کو سمجھنے کی لیاقت ہم نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے بھائی اور دوست علامہ احسان الٰہی ظہیر کی روح کو شاداب رکھے، وہی رب رحیم چمکتے چہرے والے مولانا یزدانی پر رحمتیں نازل کرے، وہ ان کے ساتھی تمام شہدا کی مغفرت فرماکر درجاتِ اعلیٰ نصیب کرے، اور وہ اس سانحۂ بارغ بینارِ پاکستان کے تمام زخمیوں کو صحت و قوت اور سکون و اطمینان عطا کرے۔ وہ شہدا اور زخمیوں کے لواحقین اور ان سے وابستگی رکھنے والے تنظیمی حلقے کے فرد فرد کے حزن و ملال کی تلافی بعض خاص عنایات و برکات کے ذریعے فرمائے۔ علاوہ ازیں وہ ایسے جرمِ شنیع اور ظلمِ قبیح کے مرتکبین سے لے کر اس کے سوچنے والوں تک ہر متنفس کو اسی دنیا میں نشانِ عبرت بنائے۔

ایک چیز میں نہایت خیر خواہی و درد مندی سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔ جنازۂ شہدا سے پہلے مجمع کے سامنے علماء نے پرزور تاکید کی کہ جلوس پُرامن ہوگا اور کوئی شخص توڑ پھوڑ نہ کرے، مگر جنازے سے فارغ ہو کر جونہی جلوس چلا تو میری آنکھوں کے سامنے بے شمار ڈنڈہ بردار (اور بعض مبینہ طور پر ابردار) نوجوان تیزی سے آگے بڑھے اور کارپوریشن کی پانی کی گاڑی پر حملہ آور ہوگئے۔ اور یہ سلسلہ چل پڑا۔ ہزار غنیمت کہ ہم جان بچا کر ایک طرف ہوگئے۔ دینی جماعتوں کے لیے یہ بڑی بدنام کن صورت ہے۔ جلوسوں میں جب کبھی ایسا ہونے لگے تو جلوس کے خاتمے کا اعلان کر دیا جائے۔ اور توڑ پھوڑ کرنے والوں کو خود پکڑ کر پولیس کے حوالے کیا جائے۔ اگر وہ اپنی تنظیم کے ہوں تو ان کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے۔ ورنہ مذہبی تنظیموں کے لیے یہ باتیں سامانِ بدنامی ہیں۔

اس دور کے منکرینِ خدا نے انسان اور معاشرے کی حقیقت کے متعلق ایسے ایسے حیوانی اور مشینی نظریے قائم کیے ہیں جنھوں نے آہستہ آہستہ آدم زاد کو بالکل درندہ صفت بنا دیا ہے۔ اور اس کے تذبذب و ضمیر کو بیکار کر دیا ہے۔ اس کے شواہد پشاور سے اسلام آباد تک اور لاہور سے کراچی تک بار بار سامنے آرہے ہیں۔

انہی نظریوں کے سرپرستوں کے مختلف کرتوتوں میں سے ایک وہ بھی ہے جو کشمیری بازار راولپنڈی میں بم کے پھٹنے کی صورت میں سامنے آیا۔ خون، آگ، لاشیں، دکانوں اور مکانوں کے پرخچے اڑنا، انسانوں کے بکھرے اعضا، آڑتی بوٹیاں، حواس باختہ بچے، پریشان حال باپ اور مائیں ــ اور

بیجنیغ ہیجان کا طوفان برپا ہوگیا۔

۱۵، ۱۶ بے گناہ انسانوں کی ہلاکت اور یک صد زخمیوں کا درد و اذیت کی چکی میں پِسنا، راولپنڈی کے دِلوں کو ہی نہیں، تمام اہل پاکستان کے دل ہلا گیا۔

حکومت اور وہ ادارے حکومت اور دیگر کا رپردازان احساس کریں کہ اُن کا فرض کیا ہے؟ قانون متوجہ ہو کہ انسانوں کو ایسی تباہی سے تحفظ دلانے کے لیے وہ کیا کر سکتا ہے؟ قانون کو چلانے والے اداروں کا فرد فرد سوچے کہ ایسے جرائم کے مرتکبین کو پکڑنے اور ان کو عبرت ناک سزائیں دینے اور معاشرے کو آئندہ کے لیے ایسے سانحات سے بچانے کی تدابیر کیا ہیں؟ اور ہر شخص کی آخرت میں ذمہ داری اور جوابدہی کیا ہوگی؟

تعلیم اور ابلاغ کے ذرائع یہ بھی سوچیں کہ جدید دور کے ظلم کیش، اسیرِ ہوس اور اندھے انسان کو بنانے میں ان کا کتنا حصّہ ہے؟

آخر میں عرض ہے کہ ہمارے بس میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم مظلوموں کے لیے خدا کی رحمت طلب کریں اور ظالموں کو اس کے غیر مرئی نظامِ انصاف کے سپرد کر دیں۔ تمام وفات یافتگان کے لیے ہم مغفرت کی دُعا کرتے ہیں۔ تمام زخمیوں کے لیے ہم بحالیٔ صحت و قوت کی آرزو کرتے ہیں۔ اور وہ نقصانات جو قطعی طور پر واقع ہو چکے ہیں ان کے متعلق ہم اللہ تعالیٰ سے اس بات کے آرزومند ہیں کہ وہ متاثرین اور ان کے لواحقین کو کچھ دوسرے پہلوؤں سے خصوصی عنایات سے بہرہ مند کرے۔

"میری وفاداری پاکستان —— اسلام —— اور پاکستان کے عوام سے ہے"۔

وقت کے ایوان میں بار بار گونجنے والے یہ الفاظ جس شخصیت نے ایک انٹرویو میں کہے تھے، وہ میر غلام علی تالپور کے نام سے موسوم تھی۔

اُن کی کچھ اور باتیں بھی سُنیے:

"میں جب ۱۸ برس کا تھا تو ایک دن نوکروں کی گفتگو میں سُنا کہ قرآن تو بحرِ ذخار ہے۔ میں نے سوچا کہ پڑھ کر تو دیکھوں .... میں نے یہ ترجمہ (سندھی میں مولانا تاج محمد امروٹی نے ترجمہ کیا تھا) منگوایا اور ایک ماہ میں پورا پڑھ ڈالا۔ اس کے بعد مت پوچھیے کہ قرآن پاک نے میری زندگی میں

کتنے اثرات مرتب کیے"۔

اکثر ممتاز شاعروں، ادیبوں سے ان کی دوستی تھی کہ جوش صاحب نے تو ان کو "نباضِ سخن" کا خطاب دیا۔

ایک قول کے مطابق وہ مزاجاً خاکسار، ارادۃً اعزاز اور طبعاً حریت پسند تھے۔ مسلم لیگ کے جاگیردارانہ مزاج سے کوسوں دور۔

۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۷ء تک پیپلز پارٹی کا عرصہ اقتدار میر برادران نے ابتلا و آزمائش میں گزارا۔

آخر میں اگرچہ وہ اچھی توقعات کے ساتھ صدر ضیاء الحق کی کابینہ میں شامل ہوئے مگر فروری ۱۹۸۵ء کے الیکشن میں ہارنے کے بعد کنارہ کش ہو گئے۔

میر صاحب کی شخصیت میں خیر کا عنصر غالب دکھائی دیتا ہے، سو ہم اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ وہ ان کی نیکیوں کو زیادہ وزن دے کر قبول کرے اور ان کی کمزوریوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے۔

ادھر میاں محمود علی قصوری ایڈووکیٹ کا انتقال ہزاروں دلوں کو ہلا گیا۔ میاں صاحب نہ صرف ایک کامیاب وکیل تھے اور عدالت کے ایوان میں ان کی پُر زور آوازیں جمہوریت، قانون کی حکمرانی اور تحفظِ حقوق کے لیے گونجا کرتی تھیں، بلکہ ان موضوعات سے متعلق سیاسی مقدمات اور نظر بندوں کی ہیبیس کارپس کی درخواستوں کے لیے وہ بغیر طلبِ معاوضہ کے اپنی خدمات پیش کیا کرتے تھے۔ اور اس معاملے میں ان کی قانونی لڑائی کسی خاص نظریے یا پارٹی کے لیے مخصوص نہ تھی۔ مجھے اعتراف کرنا چاہیے کہ جماعت سے متعلق ایسے بعض مواقع پر بھی عدالتی میدان میں وہ ہماری طرف سے خم ٹھونک کر اترے۔ اس طرح ہم لوگ بھی دوسرے بہت سے افراد اور گروہوں کی طرح ان کے احسان مند ہیں بہ گویا دستوری اور قانونی لحاظ سے حق کے تحفظ کے لیے معرکہ آرائی تھی۔ اس معاملے میں انہوں نے کسی طرح کے گروہی تعصب کا کبھی مظاہرہ نہیں کیا۔

ان کے سوشل روابط کا دائرہ بھی بہت وسیع تھا۔ ہر طبقے اور دائرے کے لوگ ان سے

ملتے ملاتے اور وہ مختلف مجلسوں اور تقریبوں میں شریک ہوتے ۔ تعلقات کے لحاظ سے بھی کوئی تعصب ان کا راستہ روکنے والا نہ تھا ۔ جاگیردار، فوجی اور سول عہدہ دار، سیاسی لیڈر، مذہبی جماعتوں کے اکابر، مزدوروں کے لیبر لیڈر، کسانوں کا جھنڈا بلند کرنے والے، کمیونسٹ پارٹی کے کرتا دھرتا، اہلِ حدیث کے علماء، وکلا، خواتین غرضیکہ ان کے تعلقات ہر طرف تھے ۔

وہ معروف اہلِ حدیث میں پیدا ہوئے، بعد میں اگرچہ ان کا جھکاؤ بائیں جانب کے نظریات کی طرف ہوا ۔ مگر شاید وہ اسی لیے اس طرف پوری طرح نہ لڑھک سکا کہ ان کے دل میں خاندان کی روشن کردہ شمعِ ہدایت کبھی بجھی نہیں ۔ پہلے وہ بحرِ سیاست کے کنارے سے سیر دیکھا کرتے تھے ۔ پیپلز پارٹی کے عہد میں طوفان میں کود گئے ۔ مگر پلے خس و خاشاک ہی، گوہر و مرجان نہیں ۔ پس بعد کے دور میں وہ شاید اپنے پچھلے متضاد رویوں کی وجہ سے بہت حساس ہو گئے تھے اور ان پر اکثر رقت طاری رہتی تھی ۔ آدمی کا دل جب پگھلنے لگتا ہے تو اس کے آنسو محض آنسو نہیں ہوتے بلکہ کبھی کبھی ذکرِ الٰہی کی تسبیح کے دانے بھی بن جاتے ہیں ۔ ہم کسی شخص کی دنیائے باطن کو زیادہ جان نہیں سکتے، بس کچھ علامات ہی سامنے آتی ہیں ۔ مولانا مودودیؒ سے نہ صرف ان کے تعلقات تھے بلکہ ان کے مرتبے کا بڑا احترام کرتے تھے ۔

خدا سے ہم درخواست کرتے ہیں کہ قصوری صاحب اور دوسرے تمام لوگ جو اہلِ ایمان میں سے ہیں ۔ اور جن کو ماحول کے طوفانِ نظریات نے پریشان کیے رکھا، ان کے اندر کی شمعِ ہدایت کی ذرا سی بھی ٹمٹماہٹ اور ان کے آنسوؤں میں خوفِ خدا کی ذرا سی بھی جھلملاہٹ کو قبول فرما کر تو ان کو اپنی بخششوں سے ڈھانپ لے ۔

ہم اپنے ایک پیارے ساتھی ملک عزیز الرحمٰن کی مغفرت کی دعا بڑے دکھی دل کے ساتھ کرتے ہیں ۔ جنہوں نے مشغلے کے طور پر اپنی عمر محکمہ آب پاشی میں سول انجینئر کی حیثیت سے گزاری اور اس وقت وہ راجن پور میں ضلعی امیر کی حیثیت سے جماعتِ اسلامی کی دعوت و تحریک کی خدمت کر رہے ہیں ۔ ان کی محبتِ دین اور خدمتِ جماعت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ حالیہ

اجتماع پنجاب (منعقدہ لاہور) میں اپنے ضلعی ارکان کی تعداد سے ۴ گنا تعداد شرکا رگو ر دراز کا سفر کر کے لائے تھے۔ انہوں نے نظم کو بہت معیاری حیثیت دے دی تھی۔ یہاں سے واپسی کے بعد وہ حیدر آباد میں ہونے والے اجتماع کے لیے اپنے ساتھ ایک بڑی تعداد لے جانے کی تیاریوں میں تھے کہ دل کا دورہ پڑنے کی وجہ سے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی آغوشِ رحمت میں لے لے اور انہیں شہیدوں کا درجہ عطا کرے۔ آمین۔

انہیں سیاحتِ دیں لے گئی شہادت تک

آج جب کہ اس ملک کی فضاؤں میں لادینیت کی گھٹائیں اُمڈی ہوئی ہیں اور اہلِ جاہ کی حاکمانہ جبریت اور اہلِ جرم کی تخریب کاریاں زوروں پر ہیں؛ نفاذِ شریعت کا محاذ ایک اعلیٰ جرنیل کی خدمات سے محروم ہو گیا۔

یہ تھے مفتی سیاح الدین کاکا خیل رحمہ اللہ تعالیٰ۔

خاندانی تعلق صوبہ سرحد کے بزرگ حضرت رحمکار کاکا خیل سے تھا۔ اس خاندان کا مرکزی مقام قصبہ زیارت کاکا صاحب (نوشہرہ) کے قریب ہے۔ مفتی صاحب کے والد حکیم حافظ محمد سعد گل رحمہ اللہ تعالیٰ بھی جید عالم، حافظِ قرآن اور ماہر طبیب تھے۔ مفتی صاحب کے نانا حکیم محمد مظہر صاحب بھی عالمِ دین اور طبیب تھے۔ والدہ ماجدہ نہایت ذہین و فطین بھی تھیں اور عبادت گزار بھی!

ایسی خاندانی فضا اور ایسے والدین کی تربیت کے فیضان سے وہ مبارک شخصیت نمودار ہوئی جس کی جدائی کا لمحہ اذیت در پیش ہے۔

مفتی صاحب کی عمر بھر کی داستانِ سیاحت بڑی جذبہ پرور ہے۔ پیدائش ۸ راگست ۱۹۱۶ء، ابتدائی تعلیم: مارچ ۱۹۳۰ء۔ درسِ نظامی (گھر پر) جنوری ۱۹۳۴ء۔ دیوبند سے فراغت: اکتوبر ۱۹۳۷ء، تدریس و تبلیغ (شکردرہ) ۱۹۳۸ء۔ تدریس و افتاد (بجیرہ) ۸ رجنوری ۱۹۴۲ء۔ تدریس دیوبند ۱۹۴۳ء۔ تدریس (بحیثیت صدر مدرس) اشاعت العلوم فیصل آباد ۳۰ راکتوبر ۱۹۴۶ء۔ افتتاح جمعیت اتحاد العلماء دسمبر ۱۹۶۳ء۔ قومی اسمبلی کے انتخاب میں شرکت ۱۹۷۰ء۔ تحریکِ ختمِ نبوت میں حصہ: ۱۹۷۴ء۔

تحریکِ نظامِ مصطفیٰ کے تحت لانگ مارچ (برائے راولپنڈی) میں شمولیت۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے لیے نامزدگی: یکم ستمبر ۱۹۷۷ء۔ یوکے اسلامک مشن کی دعوت پر انگلستان کا دورہ: ۱۹۸۳ء۔ رابطہ مدارسِ اسلامیہ کی تشکیل اور مفتی صاحب کا انتخاب بہ حیثیت صدر ۱۹۸۳ء۔ انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کے تحت مشیر برائے اقتصادیاتِ اسلامی کی حیثیت سے تقرر۔

حج کی سعادت چار مرتبہ نصیب ہوئی (۱) جولائی ۱۹۵۶ء (۲) ۱۹۷۳ء (۳) دسمبر ۱۹۷۶ء (۴) اگست ۱۹۸۳ء۔

۲۳ اپریل ۱۹۸۷ء کو جدہ میں ہونے والی ایک کانفرنس کے لیے جا رہے تھے اور پشاور سے بذریعہ کار روانہ ہوئے۔ حسن ابدال کے پاس حادثہ میں جان جان آفرین کو سپرد کر دی۔ آپ کے واحد قابل فرزند بھی ساتھ ہی شہادت پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

مرحوم بزرگ کا یہ کارنامہ دنیا میں یاد رہے گا۔ اور آخرت میں ثمرۂ عظیم کا باعث کہ آپ نے اسلامی نظریاتی کونسل کے کام میں بھرپور حصہ لیا اور رفقائے ادارہ کے تعاون سے نافذ شدہ غیر اسلامی قوانین کے بیشتر حصے کے خلافِ شریعت پہلوؤں کی نشان دہی کی اور ان کے مسودات صحیح صورت میں مدوّن کر دیے۔ آج اگر حکمران قوت چاہے تو قوانین کے سارے ڈھانچے کو بدلنے کے لیے پورا مواد تیار رکھا ہے۔

مفتی صاحب نہ صرف دینی علوم کے ماہر تھے، بلکہ جدید ذہن کے اشکالات کو بھی سمجھتے تھے اور جدید دور کے مسائل سے بھی آگاہ تھے۔ اساسی روایات اور معاملاتِ اجماع کے تحفظ کے ساتھ اجتہادی طرزِ فکر سے کام لیتے تھے۔ خاص خوبی یہ تھی کہ دین میں طرح طرح کے نکتے چھانٹنے والے جوشیلے مخالفین اور فرقہ وارانہ بحثیں اٹھانے والوں کو بہت دھیمے دھیمے انداز میں اور بہت اختصار سے سوچنے کے صحیح رُخ پر متوجہ کر دیتے، بلکہ بسا اوقات مخالف کے ہاں سے اچھی بات اخذ کر لیتے۔ اپنی اسی خاص صلاحیت کی وجہ سے کئی اہم قانونی و شرعی مسائل پر اسلامی نظریاتی کونسل میں اندرونی طور پر اتحاد ہو جاتا رہا اور ایوانِ صدر اور وزرا اور بیوروکریسی کے اساطین کو بھی مفتی صاحب نے ہموار کر دکھایا کسی گوشے سے ہونے والی مخالفت کا زور توڑ دیا۔

اللہ تعالیٰ اس جدا ہونے والی روح کو اپنی خاص رحمتوں سے نوازے، ان کے صاحبزادے کی

بھی مغفرت فرمائے۔ ان کے اہلِ خانہ و خاندان کو صبرِ جمیل عطا کرے۔ علاوہ ازیں دشمنوں میں گھری ہوئی اور بار بار کچلی پستی ملّتِ اسلامیہ پر رحم فرما کر اسے ویسا ہی کوئی صاحبِ ایمان و علم اور داعئ اجتہاد و جہاد مردِ کار اور عنایت فرمائے۔ آمین۔

—— تحریکی مکتبوں میں ایک گراں قدر اضافہ ——!

—— کارکنوں کی قوتِ خرید کے اندر فراہمی کتب کا ایک منصوبہ ——!

—— شہر کے وسط میں ایک نیا مکتبہ ——!

مکتبۃ الکوثر

—— دعوتی کتابچے نصف قیمت پر اور دیگر کئی رعایتی اسکیمیں

—— تحریکی کتابوں کا بیش بہا ذخیرہ —— آئیے اور حاصل کیجیے!

اوقاتِ کار :- روزانہ ۳ بجے دن تا ۹ بجے شب (سوائے تعطیلات)

رمضان المبارک میں: صبح ۱۰ بجے تا نمازِ عصر مکتبہ کھلا رہے گا۔

پتہ

دفتر جماعتِ اسلامی ضلع شرقی - ۱۱۶/۲ پی آئی بی کالونی۔
مارٹن روڈ کراچی ۵

فون نمبر:- ۴۲۲۷۲۶ ——